# شکایات

ناظرین ترجمان القرآن میں سے ایک صاحب لکھتے ہیں :

"آپکی نظر میں نہ موجودہ لیڈروں میں، نہ عوام میں، کوئی اس قابل ہے کہ اپنے آپکو مسلمان کہنے یا کہلانے کا مستحق ہو، نہ موجودہ دور کی سیاسی کشمکش میں ان نام نہاد مسلمانوں کی بہبودی کی جدوجہد مستحسن ہے۔ پھر برائے خدا یہ بتایئے کہ یہ مسلمان کس نام سے اس وقت پکارا جائے اور اس پر جو ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں ان سے بچنے کے لیے کسی تدبیر کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟

"یہ سچ ہے کہ دورِ حاضر کے مسلمان بُرے ہیں۔ مذہب کی پابندی نہیں کرتے لیکن آخر کیا انہیں ڈوبتا ہی چھوڑ دیا جائے؟ . . . کیا جس وقت تک سب راہِ راست پر نہ آجائیں اُس وقت تک اپنے آپکو کوئی مسلمان کہے نہ انکی بہتری کے واسطے انہیں جیسے مسلمانوں کی طرف سے کوئی جدوجہد کی جائے؟ . . . ڈوبتے ہوئے سے یہ کہنا کہ تو گہرے پانی میں گیا ہی کیوں اور تو کسی ہمدردی کا مستحق نہیں ہے سراسر خلافِ انسانیت ہے۔ ضرورت تو اسکی ہے کہ اسے نکالنے کی کوشش کی جائے اور ہر ممکن تدبیر اسکی جان بچانے کی عمل میں لائی جائے"

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں :-

"آپکی روش میرے لیے اور مجھ جیسے خیالات رکھنے والے بہت سے لوگوں کے لیے سخت وجہ پریشانی بن گئی ہے۔ جب تک آپ نیشنلسٹ مسلمانوں یا کانگریس سے تعاون کرنے والے مسلمانوں کے طرزِ عمل پر تنقید کرتے رہے، ہم نے یہ سمجھا کہ آپ ہندوستان میں مسلمانوں کی انفرادیت برقرار رکھنے کے حامی ہیں اس لیے ان لوگوں سے اختلاف رکھتے ہیں جنکے رویہ سے آپکو خطرہ ہے کہ مسلمانوں کی انفرادی ہستی گم ہو جائیگی۔ مگر اب

آپ نے اُن دو تحریکوں اور انکے لیڈروں پر بھی نکتہ چینی شروع کردی ہے جو اس انفرادیت کے تحفظ ہی کے لیے کوشاں ہیں، یعنی مسلم لیگ اور خاکسار تحریک۔ اب ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ آخر چاہتے کیا ہیں؟ ہندوستان میں اگر مسلمانوں کو زندہ رہنا ہے تو بہرحال یہ ضروری ہے کہ وہ کسی مرکز پر جمع ہوں، ایک منظم گروہ بنیں، کسی قیادت کے تحت حرکت کریں۔ اس مقصد کے لیے جو کوشش کی جاتی ہے اس سے آپ کا اختلاف کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر آپ مذہبیت کا احیاء چاہتے ہیں تو یہ بھی تب ہی ہو سکے گا کہ مسلمانوں کا ایک اجتماعی نظام بن جائے۔ فی الحال بری یا بھلی، جیسی بھی ہے، جماعت تو بن رہی ہے۔ اس کا ساتھ دیجیے پھر مذہبی احیاء کے لیے بھی کوشش کر لیجیے گا۔ لیکن آپکی روش سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے جو کوششیں کی جا رہی ہیں ان میں سے کسی کا ساتھ بھی آپ دینا نہیں چاہتے۔"

یہ دو خط من جملہ ان بہت سے شکایتی اور احتجاجی خطوط کے ہیں جو پچھلے دنوں مجھے وصول ہوئے ہیں۔ ہمارے تعلیم یافتہ لوگوں میں ایک بہت بڑا گروہ اسی طرز پر سوچ رہا ہے اور ان خطوط میں دراصل اسکے طرزِ خیال کی نمائندگی کی گئی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے اوپر آپ تنقید کرنا، اور اپنی کمزوریوں کا جائزہ لینا کوئی خوش آیند چیز نہیں ہے۔ میں بھی اس کام کو خوش آیند سمجھ کر نہیں کرتا۔ بڑا تلخ گھونٹ، زہر کا گھونٹ ہے جسے حلق سے اتارتا ہوں، اور اچھی طرح اُس تلخی کو محسوس کرتا ہوں جو میرے دوسرے بھائی اسکے اندر پاتے ہونگے۔ اس احساس کے باوجود میرا ضمیر تقاضا کرتا ہے کہ اس تلخی سے بچنے کے بجائے اسے گوارا کرنا چاہیے۔ تلخی تو واقع میں موجود ہے، تغافل کا فائدہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ اپنے احساس کو حقیقی اور واقعی تلخی کے ادراک سے معطل کر لیا جائے۔ دوسروں کی چیرہ دستیوں اور جارحانہ کارروائیوں پر شکوہ سنج ہونا اور اپنی کمزوریوں اور غلطیوں سے نہ صرف غفلت برتنا بلکہ انکے لیے جواز و استحسان کے دلائل ڈھونڈنا بہت خوشگوار چیز ہے جس سے دل خوب بہلتا ہے، مگر اسکی حیثیت مارفیا کے انجکشن کی سی ہے۔ یہ ایک پینک ہے جسکے نشے میں مریض

سو تو جاتا ہے، مگر وہ اندرونی خرابیاں دور نہیں ہوتیں جنکے سبب سے بیرونی آفات کو اس پر تسلط حاصل ہوا ہے۔ میرے بھائی چاہتے ہیں کہ میں بھی اُنہیں اسی پینک کی خوراکیں دیا کروں۔ انکی خواہش ہے کہ جس خیالی جنت میں وہ جی رہے ہیں، جن سرابوں سے وہ چشمۂ حیواں پانے کی امیدیں باندھے بیٹھے ہیں، اور جن غلط فہمیوں کا دلفریب طلسم انہوں نے اپنے گرد بنا رکھا ہے، ان سب چیزوں کو جوں کا توں رہنے دوں، بلکہ اگر ہو سکے تو خود بھی ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں جنکے لیے ان چیزوں کا سرا ہنا دین و ملت کی سب سے بڑی خدمت بنا ہوا ہے۔ اس خدمت کے فوائد بھی مجھے معلوم ہیں، مگر میں مجبور ہوں کہ مجھے محبوب دشمن کے بجائے مبغوض دوست بننا زیادہ مرغوب ہے۔

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

مسلمانوں کا مفاد، مسلمانوں کی فلاح و بہبود، مسلمانوں کی تنظیم، مسلمانوں کی جمعیت و مرکزیت، مسلمانوں کی ترقی و خوشحالی، یہ چیزیں ہیں جن کا ذکر بار بار زبانوں پر آتا ہے۔ میں بھی یہ ذکر کرتا ہوں، زید بھی کرتا ہے، بکر بھی کرتا ہے، اور ہر ایک شخص جو اس گروہ میں شامل ہے، اپنی الفاظ سے اپنے مدعا کے اظہار میں کام لیتا ہے۔ مگر اسکے باوجود ہمارے عمل کی راہوں میں اختلاف ہے۔ ایک کسی طرف جا رہا ہے، دوسرا کسی اور طرف، تیسرا کسی اور طرف۔ آخر اسکی وجہ کیا ہے؟ کیا یہ محض اتفاقی امر ہے؟ یا اسکی تہ میں کوئی بنیادی سبب ہے جسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی؟

میرے نزدیک اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے درمیان الفاظ مشترک ہیں مگر معنی و مفہوم میں اختلاف ہے۔ ایک ہی لفظ ہے "مسلمان"، لیکن میں اس سے کچھ اور مراد لیتا ہوں، اور دوسرے اس کا مفہوم کچھ اور سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے مفاد، فلاح و بہبود، تنظیم، جمعیت و مرکزیت، ترقی و خوشحالی اور ہر ایک چیز جو لفظ "مسلمان" کی نسبت سے بولی جاتی ہے، ہمارے درمیان مختلف المعنی ہو کر رہ گئی ہے۔ اسی اُلجھن کے سبب سے غلط فہمیاں واقع ہوتی ہیں، اور جب لوگ اسے سلجھانے سے عاجز رہ جاتے ہیں تو شکایات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ

تم کو مسلمانوں کے مفاد اور فلاح و بہبود اور ترقی و خوشحالی وغیرہ سے ہمدردی نہیں۔ جمعیت بن رہی ہے، مرکزیت پیدا ہو رہی ہے، مگر تم اسکی مخالفت کرتے ہو مسلمانوں کی بہتری کے لیے کام ہوتا ہے اور تم اس میں روڑے اٹکاتے ہو۔ حالانکہ ایک شخص ان الفاظ کا اطلاق جن مخصوص و متعین چیزوں پر کرتا ہے، دوسرے کے نزدیک اُن پر یہ الفاظ منطبق ہی نہیں ہوتے، ورنہ ظاہر ہے کہ کون کافر ہوگا جسکو فی نفسہٖ فلاح مسلمین وغیرہ سے دشمنی ہو۔

آیئے، ذرا تحقیق کرکے دیکھیں کہ اس اُلجھن کی نوعیت کیا ہے۔

مطلق اور مقیّد کا فرق ایک ایسی واضح چیز ہے جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ جب ہم کوئی ایسا لفظ بولتے ہیں جس میں اطلاق اور عموم ہو تو اسکے استعمال میں وسعت ہوتی ہے، اور جب اسے کسی قید کے ساتھ مقید کر دیا جاتا ہے تو اس قید کا لحاظ کیے بغیر اس لفظ کا استعمال صحیح نہیں ہوتا۔ مثلاً جب ہم رنگ بولتے ہیں تو اسکا استعمال ہر رنگ پر ہوگا۔ کوئی چیز خواہ سیاہی میں ترقی کرے، یا سفیدی میں یا سرخی میں، بہرحال ہم کہینگے کہ اس کا رنگ گہرا ہو رہا ہے۔ مگر جب رنگ کے ساتھ ہم سفید کی قید لگا دیں تو سیاہ، سرخ، سبز اور دوسرے رنگ کی چیزوں پر ہم اس لفظ کا اطلاق نہ کر سکینگے، اور سیاہی یا سرخی میں ترقی کرنے کو سفید رنگ کی ترقی کہنا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح مثال کے طور پر لفظ "قافلہ" کو لیجیے۔ ہر قافلہ جو کسی طرف جا رہا ہو، اس لفظ سے موسوم ہو سکتا ہے۔ جس طرف بھی وہ بڑھے، اسکی پیش قدمی کو پیش قدمی کہا جا سکتا ہے۔ ہر شخص اسکا میر قافلہ بن سکتا ہے۔ ہر گاڑی پر وہ سفر کر سکتا ہے۔ ہر قسم کا زادِ سفر اسکا زادِ سفر ہو سکتا ہے۔ غرض اصل کے مطلق ہونے کی وجہ سے ہر وہ چیز جو اس سے تعلق رکھتی ہو مطلق ہی ہوگی۔ لیکن جب مثلاً عزمِ پشاور کی قید سے مقید کرکے "قافلۂ پشاور" کہہ دیا جائے تو پھر وہ عموم باقی نہیں رہ سکتا جو محض قافلہ ہونے کی صورت میں تھا۔ "قافلۂ پشاور" کا اطلاق صرف اسی قافلہ پر ہوگا جو عازمِ پشاور ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ جا تو رہا ہو مدراس یا بمبئی کی طرف اور کہلائے قافلۂ پشاور۔ اسی

طرح ہر وہ چیز جو اس سے تعلق رکھتی ہو، پشاور کی قید سے مقید ہو جائیگی۔ مثلاً قافلۂ پشاور کی پیش قدمی کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ پشاور کی سڑک پر چل رہا ہے۔ اگر وہ کسی دوسری سڑک پر بڑھ رہا ہو تو اسے قافلۂ پشاور کی پیش قدمی نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اسے پیش قدمی کے بجائے رجعت کہا جائیگا، کیونکہ دوسرے راستے پر جتنے قدم وہ چلے گا پشاور کی نسبت سے دور ہوتا چلا جائیگا۔ اس کا میر قافلہ بھی صرف وہی ہو سکتا ہے جو پشاور کا راستہ جانتا ہو۔ دوسرے راستوں کے علم میں کوئی شخص خواہ کتنا ہی ماہر ہو، اگر وہ پشاور کی راہ سے ناواقف ہے تو بہر حال وہ قافلۂ پشاور کا سردار نہیں بن سکتا۔ اسی پر دوسرے تمام امور کو بھی قیاس کر لیجیے۔

اب دیکھیے کہ اُلجھن کس طرح پیش آتی ہے۔ قافلہ ہی کی مثال کو لے لیجیے۔ ایک قافلہ کا نام تو ہے "قافلۂ پشاور"۔ مگر آپ یا تو پشاور کی قید کو بھول کر اسے محض قافلہ سمجھ لیتے ہیں۔ یا آپ کو پشاور کا راستہ معلوم نہیں ہے۔ یا آپ کا خیال یہ ہے کہ اس قافلہ کے لوگ جب ایک دفعہ "قافلۂ پشاور" کے نام سے موسوم ہو چکے ہیں تو اب یہ پشاور کے سوا جس رُخ پر چاہیں سفر کریں بہر حال انہیں کہنا چاہیے قافلۂ پشاور ہی۔ بخلاف اسکے میں قافلۂ پشاور کو اسکے اصلی معنی میں لیتا ہوں اور پشاور کی قید کو نظر انداز کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قافلہ کے بارے میں جتنی گفتگو ہوتی ہے، میرے اور آپکے درمیان بات بات پر تصادم واقع ہوتا ہے۔ جب تک بات مجمل رہتی ہے ہم متفق رہتے ہیں۔ قافلہ کے منتشر مسافروں کو جمع کیا جائے، انہیں دوسرے قافلوں میں گم نہ ہونے دیا جائے، رہزنوں سے انکی حفاظت کی جائے، انکے لیے زادِ راہ درکار ہے، انہیں ایک میر قافلہ کی ضرورت ہے، انکو منظم طور پر تیز رفتاری سے منزل کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے، یہ سب باتیں مبہم اور مجمل الفاظ میں جب تک کہی جاتی ہیں، میں اور آپ دونوں ان سے اتفاق کرتے ہیں۔ مگر جب انہی چیزوں کے تعین کا وقت آتا ہے تو آپکے اور میرے خیالات میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔ ایک شخص آتا ہے اور اس قافلہ کے لوگوں کو جمع کر کے بمبئی کی طرف چلانا شروع کر دیتا ہے، دوسرا آتا ہے اور کلکتہ کی طرف چل پڑتا ہے، تیسرا

آتا ہے اور کسی اور طرف کا رخ کرتا ہے۔ آپ ہر میر قافلہ کے جھنڈے کو دیکھ کر زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہیں اور پکارنے لگتے ہیں کہ چل پڑا پشاوری قافلہ۔ میں اسی پر اعتراض کرتا ہوں کہ یہ جمعیت اور یہ پیش قدمی قافلۂ پشاور کی جمعیت اور پیش قدمی نہیں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ منتشر مسافر جمع تو ہو رہے ہیں اور صورت قافلیہ تو بن رہی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ بجا و درست مگر محض جمع ہونے اور صورتِ قافلیہ بن جانے کا نام تو "قافلۂ پشاور" بننا نہیں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ میر کارواں کتنا لائق، منتظم اور مدبر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ سہی مگر پشاور کا راستہ بھی جانتا ہے؟ آپ کہتے ہیں کہ دیکھو، کتنی اچھی، تیز رفتار، شاندار گاڑی ہے جس پر یہ قافلہ جا رہا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپکی بیان کردہ صفات سے انکار نہیں، مگر یہ گاڑی جا کدھر رہی ہے؟ اگر اس کا رخ پشاور کی طرف نہیں ہے تو قافلۂ پشاور کے لیے موزوں نہیں۔ اس صورت میں تو اسکی تیز رفتاری اور زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ یہ روز بروز قافلہ کو اسکی منزل مقصود سے دور تر لے جاتی رہے گی۔ آپ کہتے ہیں کہ صاحب قافلہ بننے اور گاڑی چلنے تو دو، پھر پشاور کی سڑک بھی لے ہی لینگے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ جب تک عزم پشاور ملتوی ہے اور دوسرے راستوں پر آپ گامزن ہیں اس وقت تک کے لیے نام تبدیل فرما لیجیے۔ مجھے آپ کی گاڑی چلنے پر اعتراض نہیں بلکہ اس پر ہے کہ آپ چلیں تو بمبئی یا مدراس یا کلکتہ کی طرف اور نام آپکا قافلۂ پشاور ہی رہے۔ آپ کہتے ہیں کہ حضرت پشاور کی سڑک تو بڑی دشوار گذار ہے، اس وقت اُدھر جانا تو محال ہے، لہذا سردست تو قافلۂ پشاور کو دوسرے آسان راستوں ہی پر چلنے دو۔ میں گذارش کرتا ہوں کہ میں نے آپکو دشوار گذار راستہ کی طرف گھسیٹنے پر کب اصرار کیا تھا؟ میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ قافلۂ پشاور کا پشاور کے سوا دوسری سمت میں چلنا اور پھر قافلۂ پشاور ہی رہنا متناقض بات ہے۔ آپ اس تناقض کو دور فرما دیں۔

اس تمام بحث میں بنائے نزاع صرف یہ ہے کہ آپ مقید کو مطلق بناتے ہیں اور اسکے تمام متعلقات کو قید سے آزاد کیے دیتے ہیں۔ اور میں مقید کو مقید ہی سمجھ کر بات کرتا ہوں۔ اگر آپ اپنے

ذہن کو صاف کرلیں، اور یہ بات سمجھ لیں کہ مطلق قافلہ، اور قافلہ بقید پشاور میں کیا فرق ہے تو کوئی الجھن پیش نہیں آسکتی۔ لیکن آپ سیدھی، سمجھ کی بات اختیار کرنے کے بجائے گفتگو کا رخ کچھ دوسری ہی باتوں کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ تم قافلہ کے اجتماع اور اسکی تنظیم اور اسکی پیش قدمی کے مخالف ہو۔ حالانکہ نفس اجتماع و تنظیم اور نفس پیش قدمی سے کس کافر نے انکار کیا تھا۔ کبھی آپ سوال کرتے ہیں کہ یہ قافلہ اگر قافلۂ پشاور نہیں تو اور کس نام سے یاد کیا جائے؟ حالانکہ اُس کا نام تجویز کرنیکی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔ میری بات تو صاف ہے۔ اگر یہ پشاور کی سڑک پر ہے تو قافلۂ پشاور ہے۔ اگر اس پر نہیں ہے تو اپنے لیے جو نام چاہے تجویز کرلے، بہرحال قافلۂ پشاور کا نام اس پر راست نہیں آتا۔ آپ چاہیں تو اس امر پر بحث کر لیجیے کہ جس سڑک پر یہ جا رہے وہ پشاور کی سڑک ہے یا نہیں۔ مگر یہ اصول آپکو پہلے تسلیم کرنا پڑیگا کہ جو اس سڑک پر نہ ہو وہ قافلۂ پشاور نہیں ہے۔ پھر آپ ہمدردی کا سوال چھیڑ دیتے ہیں حالانکہ ہمدردی اور بے دردی کا یہاں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو واقعہ اور حقیقت کا سوال ہے۔ مدراس یا کلکتہ کی طرف جانے والوں کو آخر میں عازم پشاور کس طرح کہوں؟ جانتے بوجھتے ایک خلافِ واقعہ بات باور کرانا آخر ہمدردی کی کونسی قسم ہے؟ میرے نزدیک تو ہمدردی کی صورت یہی ہے کہ صاف صاف لوگوں کو بتا دیا جائے کہ یہ پشاور کی سڑک ہے اور یہ دوسری سڑکیں فلاں فلاں سمت کو جاتی ہیں۔ جو لوگ فی الواقع پشاور جانا چاہتے ہیں مگر راستہ سے ناواقف ہونے کے باعث دوسرے راستوں پر بھٹک رہے ہیں یا بھٹکائے جا رہے ہیں وہ صحیح راستہ معلوم کر لینگے۔ اور جو حقیقت میں جانا ہی دوسری طرف چاہتے ہیں، میں نہ تو انکا راستہ روکنا چاہتا ہوں، نہ اُن سے مجھے کوئی دشمنی ہے کہ انسانیت کے خلاف انکے ساتھ کوئی بے دردی کروں۔ میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ جدھر جانا چاہتے ہیں سمجھ بوجھ کر پورے شعور کے ساتھ جائیں، اور جب جائیں تو غلط نام کے ساتھ سفر نہ کریں۔

مسلمانوں کے معاملہ میں جو اُلجھن پیش آرہی ہے اسکی نوعیت بعینہٖ وہی ہے جو اوپر کی

مثال میں بیان کی گئی ہے۔ مسلمان کا لفظ اسلام سے ماخوذ ہے اور اسلام ایک طریق فکر، ایک مقصدِ زندگی، ایک کیرکٹر اور ایک طرزِ عمل کا نام ہے۔ اس لحاظ سے مسلمان کے معنی محض آدمی کے نہیں ہیں بلکہ اُس آدمی کے ہیں جو زندگی کے تمام معاملات میں وہ خاص طریقِ فکر، وہ خاص مقصد اور وہ خاص طرزِ عمل رکھتا ہو جس کا نام اسلام ہے۔ لفظ "مسلمان" کے ان تقییدات کو اگر صاف صاف سمجھ لیا جائے تو مسلمانوں کی فلاح و بہبود، اُن کا مفاد، انکی تنظیم، انکی ترقی و خوشحالی، انکی قیادت و امارت، غرض اُن سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کا مفہوم معین ہو جائیگا۔ لیکن اگر ان تقییدات سے قطع نظر کرکے "مسلمان" کے لفظ کو مطلقاً ایک گروہ اشخاص کے معنی میں لے لیا جائے تو پھر ہر شخص کو آزادی ہوگی کہ جس چیز کو چاہے مسلمانوں کا مفاد کہدے، جس چیز کو چاہے انکی فلاح و بہبود قرار دے لے، جس نوع کی تنظیم کو چاہے انکی تنظیم سمجھ لے، اور جو شخص بھی انسانی گلے کو ہانکنے کی قابلیت رکھنے والا نظر آئے اسے مسلمانوں کا قائدِ ملت اور امیر مطاع ماننے پر آمادہ ہو جائے۔

بدقسمتی سے یہاں کچھ ایسی ہی صورتِ حال درپیش ہے۔ "اسلام" کی قید سے قطع نظر کرکے فی الواقع "مسلمانوں" کو محض ایک گروہ اشخاص سمجھ لیا گیا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ عجیب عجیب چیزوں پر مسلمانوں کے مفاد، انکی فلاح و بہبود، انکی تنظیم و جمعیت، انکی قیادت و امارت وغیرہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہنے والے کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا مفاد اس میں ہے کہ یہ بینک اور انشورنس اور اسی قبیل کی دوسری چیزوں سے استفادہ کریں۔ حالانکہ مسلمان کا لفظ اگر کوئی معنی رکھتا ہے تو اسکی رو سے مسلمان مامور ہیں اس پر کہ اُس پورے نظامِ مالیات کو توڑ ڈالیں جو اس وقت دنیا میں قائم ہے اور اپنے اصول پر ایک نیا نظام بنائیں۔ پھر یہ الجھے ہوئے دماغ کی بات نہیں تو اور کیا ہے کہ مسلمان کی حیثیت سے جس نظام کے ساتھ آپکی اصولی عداوت ہے اسی میں آپ اپنا مفاد سمجھیں اور پھر اسکا نام "مسلمان کا مفاد" رکھیں؟ اسی طرح سرکاری ملازمتوں اور شریعت ساز مجالس کی نشستوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں کو "مسلمان

کے مفاد" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ مسلمان کے لفظ کو اگر اسلام کی قید سے مقیّد کر کے لیا جائے تو یہ سب چیزیں مسلمان کے مفاد کی ضد ہیں۔ مسلمان کی حیثیت سے تو آپ کا کام اُس نظامِ حکمرانی کو بدل ڈالنا ہے جسے چلانے کو آپ اپنا مفاد کہہ رہے ہیں۔ اسی طرح وہ نظامِ تعلیم جو انگریزوں نے یہاں قائم کیا ہے اسکے تحت اپنی نسلوں کا ذہن تیار کرنا آپکے نزدیک مسلمان کی فلاح وبہبود اور ترقی کا ذریعہ ہے، اور اس نظام کے تحت آپ خود اپنے خرچ سے درسگاہیں بنا کر ان کے نام اسلامیہ اسکول اور اسلامیہ کالج اور مسلم یونیورسٹی رکھتے ہیں، حالانکہ یہ پورا نظامِ تعلیم انسانیت کی تشکیل ایسے نقشہ پر کرتا ہے جو اسلامی نقشہ کے عین برعکس ہے۔

ایسا ہی غلط تصور آپکے ذہن میں مسلمانوں کی جمعیت، مسلمانوں کی تنظیم اور مسلمانوں کی قیادت کا بھی ہے۔ اگر آپکو معلوم ہو کہ اسلام کس تحریک کا نام ہے، اس کا مقصد کیا ہے، اسکے اصول کیا ہیں، اور وہ کیا طرزِ عمل چاہتا ہے، تو آپ بڑی آسانی کے ساتھ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ اُن سیاسی جمعیتوں اور تنظیموں اور اُن قائدوں اور امیروں کی صحیح حیثیت کیا ہے جو اسلام کے نام سے اس وقت کام کر رہے ہیں۔ اسلام کی رو سے مسلمانوں کی سیاسی جمعیت صرف وہ ہو سکتی ہے جو غیر الٰہی حکومت کو مٹا کر الٰہی حکومت قائم کرنے اور قانونِ خداوندی کو حکمراں بنانے کے لیے جدوجہد کرے۔ جو جماعت ایسا نہیں کرتی بلکہ غیر الٰہی نظام کے اندر "مسلمان" نامی ایک قوم کے دنیوی مفاد کے لیے جدوجہد کرتی ہے وہ نہ تو اسلامی جماعت ہے اور نہ اسے مسلمانوں کی جماعت ہی کہنا درست ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی تنظیم صرف وہی ہو سکتی ہے جو خالص اسلامی اصولِ اجتماع پر قائم ہو اور جس کا مقصد اسلامی ہو۔ ورنہ جو تنظیم فاشستی اصولوں پر کی جائے اور جس کا مقصد محض اپنی قوم کا غلبہ وتمکّن ہو اسے محض اس بنا پر مسلمانوں کی تنظیم نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مردم شماری کے مسلمانوں کو منظم کرتی ہے اور انکے "استخلاف فی الارض" کے لیے کوشاں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس مسلمانوں کے رہنما بھی صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو سب سے

پہلے اسلامی تحریک کے مقصد، اصول اور طریق کار کو جانتے ہوں اور اہل تقویٰ و دیانت ہوں۔ باقی رہے وہ لوگ جو سرے سے اسلام کا علم ہی نہ رکھتے ہوں، یا ناقص علم کی بنا پر اسلام اور جاہلیت کو خلط ملط کرتے ہوں اور پھر تقویٰ و دیانت کی کم سے کم ضروری شرائط سے بھی عاری ہوں، تو ایسے لوگوں کو محض اسلیے مسلمانوں کی قیادت کا اہل قرار دینا کہ وہ مغربی سیاست کے ماہر یا مغربی طرزِ تعلیم کے استادِ فن ہیں، اور اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں، سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت کا نتیجہ ہے۔

یہ باتیں جب مسلمانوں سے صاف صاف کہی جاتی ہیں تو وہ اس پر چیں بجبیں ہوتے ہیں اور شکایات کے طومار باندھ دیتے ہیں۔ مگر فی الحقیقت اس معاملہ میں جذبات کی برانگیختگی کا کوئی موقع نہیں ہے۔ لوگوں کو ٹھنڈے دل سے سوچ سمجھ کر پہلے یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ وہ اسلام کے لیے اسلام کے اصول پر کام کرنا چاہتے ہیں یا اپنے لیے اپنے اصول پر۔ اگر پہلی بات ہے تو انہیں سیدھی طرح ہر اس چیز کو ترک کر دینا چاہیے جو غیر اسلامی ہے۔ اور اگر دوسری بات ہے تو جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں، شوق سے کریں، ہم ان کا راستہ روکنے نہیں آتے، ہمارا مطالبہ ان سے صرف یہ ہے کہ اسلام اور مسلمان کے نام کو غلط طریقہ پر استعمال کرنا چھوڑ دیں۔

---